یادوں کے چراغ

مولانا محمد عبد المبین نعمانی قادری

یادوں کے چراغ

مولانا محمد عبد المبین نعمانی قادری
سربراہِ اعلیٰ دارالعلوم قادریہ چریاکوٹ، ضلع مئو

شہزادۂ اعلیٰ حضرت تاجدارِ اہلِ سنت، مفتیِ اعظمِ ہند حضرت علامہ شاہ محمد مصطفیٰ رضا خاں نوری بریلوی علیہ الرحمۃ الرضوان چودھویں صدی کی ان عبقری شخصیتوں میں سے ایک ہیں، زمانہ جن کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ زہد وورع کے پیکر تھے اور فقہ وفتویٰ کے بادشاہ۔ علمِ شریعت وطریقت کے سنگم تھے اور مردِ حق آگاہ، ان کی ولادت کی گواہی علما وصلحا نے بھی دی اور صوفیہ واتقیا نے بھی، کرامتیں ان سے اس کثرت سے صادر ہوئیں کہ ان کے عہد میں نہ کسی نے کسی کو ایسا دیکھا نہ سنا، اصلاح وارشاد کے میدان میں تو آپ ایسے منفرد تھے کہ ماضی قریب میں بھی دور دور تک اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ اظہارِ حق اور اصلاحِ حال کے سلسلے میں آپ نہایت درجہ بے باک اور بے خوف تھے۔ نہ لومتِ لائم کی پرواکرتے نہ ہی کسی کے دنیاوی شان ومنصب سے خوف زدہ ہوتے۔ ضرورت ہے کہ آپ کو جن لوگوں نے دیکھا، پرکھا، آپ سے استفادہ کیا، وہ دوسروں کو بھی آپ کے رخِ حیات کے جلووں سے ہم کنار کریں۔ آپ کی سچی سچی اور میٹھی میٹھی باتوں سے آنے والی نسلوں کو بھی آگاہ کریں، ان کی خلوتوں اور جلوتوں کی یادوں کے چراغ سرِ راہ جلائیں تاکہ تاریک دل جگمگائیں اور بھٹکے ہوئے راہ پائیں۔

جمہور علماے اہلِ سنت و جماعت کا کہنا ہے کہ سرکار مفتیِ اعظم علیہ الرحمہ اللہ کے ولی ہیں، ولایت کا معیار کیا ہے، اس سلسلے میں مرشدِ مفتیِ اعظم، حضرت شاہ ابوالحسین احمد نوری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

> ”صرف خرقِ عادت سے اولیاء اللہ کی شناخت کرنا صحیح نہیں ہے، کیوں کہ یہ تو ولی اور غیر ولی میں مشترک ہے، یہاں تک کہ کافر اور جادوگر میں بھی۔ ولی اور غیروں کے پہچاننے کا طریقہ یہ ہے کہ دل کی سلامتی اور عقل کی درستگی کے ساتھ صحبت اختیار کرے۔ اب اگر یہ دیکھے کہ اس کی صحبت سے خدا یاد آتا ہے اور خدا کی محبت زیادہ ہوتی ہے تو جان لے کہ یہ ولی ہے۔ اگر اس کے خلاف ظاہر ہو یعنی دنیا یاد آئے اور دنیا کی محبت غالب ہو تو سمجھ لے کہ ولی نہیں ہے، اس لیے کہ القلب مرأۃ القلب، جو کچھ اس کے دل میں ہوگا، اسی کا عکس دکھائی دے گا اور دوسری صورت نجاست کی گواہ ہے،---عین المعانی میں ہے کہ اولیاء وہ جماعت ہیں کہ ان سے مل کر اللہ کی یاد آتی ہے۔“
>
> (سراج العوارف، مترجم ڈاکٹر سید محمد امین میاں، ص:۶۹، ممبئی)

اس معیار پر جب ہم مرشدِ برحق سرکار مفتیِ اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کی زندگیِ پاک کا مطالعہ کرتے ہیں تو آپ کی

ولایت نکھر کر سامنے آجاتی ہے، کیوں کہ جن لوگوں نے بھی آپ کی صحبتِ بابرکت کا لطف اٹھایا ہے وہ اس بات کے گواہ ہیں کہ آپ کی صحبت میں خدا ہی یاد آتا تھا۔ بڑے بڑے مال داروں، دنیا داروں کو دیکھا گیا کہ آپ کی بارگاہ میں آتے تو سب کچھ بھول جاتے اور سراپا عجز و انکسار بن کر زیارت سے مشرف و بامراد ہوتے اور یادِ الٰہی میں کھو جاتے، خود ناچیز راقم الحروف نعمانی قادری جب بھی حاضرِ بارگاہ ہوا اپنی کیفیت بدلی ہوئی پائی۔ وہاں یادِ خدا کے سوا کچھ اور یاد نہ آیا۔ حتیٰ کہ کھانے اور سونے کی فکر بھی بہت کم ہوا کرتی، بل کہ بسا اوقات تو نہ بھوک لگتی نہ کھانا یاد آتا۔ چہرۂ پاک میں کشش اس درجہ تھی کہ گھنٹوں اور پہروں بیٹھنے والا بھی ٹکٹکی باندھے صرف دیکھا کرتا اور اس کا جی نہیں بھرتا، سیری نہیں ہوتی۔ واقعی ۔

خدا کی قسم وہ خدا کا ولی ہے　　　جسے دیکھ کر کے خدا یاد آئے

کے سچے مصداق تھے۔ آپ کی خاموشی ہزار تقریروں پر بھاری تھی، آپ کی زندگی کا لمحہ لمحہ تبلیغِ دین و ہدایتِ مسلمیں سے عبارت تھا

چادر کے پیسے :

۱۳ ربیع الاول شریف ۱۳۹۴ھ کا واقعہ ہے، صبح کے وقت جب راز الٰہ آبادی صاحب (مرحوم) جو ایک مشہور شاعر اور حضور مفتیِ اعظم ہند قدس سرہ سے بیعت تھے اور غایت درجہ عقیدت رکھتے تھے، خدمتِ اقدس میں آئے اور کچھ روپے پیش کر کے عرض گزار ہوئے کہ یہ چادر شریف کا بچا ہوا روپیہ ہے جو ہر سال ہم لوگ مزارِ اعلیٰ حضرت پر پیش کرتے ہیں، تو سرکار مفتیِ اعظم قدس سرہ نے ارشاد فرمایا:

''میں کیوں لوں؟ جن لوگوں نے دیا ہے انھیں ہی واپس کر دیجیے۔''

راز صاحب نے مزید اصرار کرتے ہوئے عرض کیا، حضور قبول فرما لیں، ان لوگوں نے کہا ہے کہ اس کو مزار شریف پر صرف کر دیا جائے۔ اس پر بھی حضور مفتیِ اعظم نے قبول نہ فرمایا اور ارشاد فرمایا:-- میں تو چادروں کا یہ انداز پسند بھی نہیں کرتا، چادرِ مزار کا مقصد ہے لوگوں کی نظروں میں امتیاز پیدا کرنا کہ یہ کسی ولی یا بزرگ کا مزار ہے تا کہ زائرین فاتحہ پڑھیں اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ اس مزار پر جو کادم ہو اس کی اس سے امداد کی جائے کہ جب کوئی دوسری چادر پڑے تو وہ پہلی اتار کر اس کو کام میں لائے۔ آج کل حال یہ ہے کہ دس ہزار روپے کی چادر اجمیر شریف جا رہی ہے تو دس ہزار کی بغداد شریف، اور مقصد چادر ڈالنے والوں کا یہ ہوتا ہے کہ (یہ نمائش کے لیے) ہمیشہ مزار پر پڑی رہے۔ اس ارشاد سے حضور مفتیِ اعظم قدس سرہ کا چادر مزارات سے متعلق معتدل موقف سامنے آتا ہے اور ان کا تقویٰ بھی ظاہر ہے کہ چادر سے بچی ہوئی رقم قبول کرنے سے انکار فرما دیا۔

تعظیمِ سادات :

۲ / یا ۳ / اپریل ۱۹۷۴ء کا واقعہ ہے، (جب حضور مفتیِ اعظم ہند علیہ الرحمہ مدرسہ دار القرآن، ذاکر نگر، جمشید پور کے جلسے میں تشریف لے گئے تھے) کہ مولانا غلام آسی علیہ الرحمہ کا ایک مرید سرکار مفتیِ اعظم کا پاؤں دبانے لگا۔ حضور نے پوچھا یہ کون صاحب ہیں؟ مولانا غلام آسی صاحب نے عرض کیا، حضور یہ میرے مریدوں میں ہیں، ان کا نام ہے سید.........صاحب۔ یہ سنتے ہی کہ یہ صاحب سادات کرام سے ہیں استغفر اللہ پڑھتے ہوئے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور پھر پاؤں دابنے سے روک دیا، ہر چند وہ اصرار کرتے رہے، لیکن حضرت نے پھر انھیں خدمت کا موقع نہ دیا، یہی نہیں بل کہ ان کے ہاتھ کو بوسہ بھی دیا۔

تعظیمِ سادات کے سلسلے میں ایک بات یہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ مولانا سید کاظم پاشا قادری حیدر آبادی جب مبارک پور دار العلوم

اشرفیہ میں زیرِ تعلیم تھے اور پھر جامعہ منظرِ اسلام بریلی شریف میں بھی چند سال تھے، وہیں سے فراغت ہوئی۔ ان کا کئی بار کا واقعہ ہے کہ کسی جلسے اور کانفرنس میں جب سرکار مفتیِ اعظم تشریف فرما ہوتے اور سید کاظم پاشا صاحب جلسہ گاہ میں کہیں نظر آجاتے تو مفتیِ اعظم ان کو آدمی بھیج کر بلاتے اور اسٹیج پر بٹھاتے باوجود کہ وہ طالب علم تھے۔

تقویٰ کی ایک مثال :

۱۵ ربیع الاول شریف ۱۳۹۴ھ کو ہوڑہ تکیہ پاڑہ میں ہونے والی سرکارِ مدینہ کانفرنس میں شرکت کے لیے سرکار مفتیِ اعظم علیہ الرحمہ بریلی شریف سے بذریعہ پنجاب میل ٹرین تشریف لے جارہے تھے، حضور کے ہم راہیوں میں مولانا مفتی ریاض احمد سیوانی اور جناب حاجی محمد فاروق صاحب بناری، جو حضرت کے خاص خادم و مرید اور خلیفہ ہیں اور راقم الحروف نعمانی قادری تھے۔ لکھنؤ اسٹیشن پر جب ٹرین رکی تو حضور نے کھانے کا ارادہ فرمایا، دروازے پر بیٹھ کر ہاتھ دھونے لگے، اچانک پیچھے سے کرتے کا دامن گر گیا اور اس میں کچھ کیچڑ لگ گئی جس کی مقدار مشکل سے چوتھائی درہم تھی، میں نے دیکھتے ہی فوراً پیچھے سے دامن اٹھالیا -- جب اس کا احساس ہوا تو استغفر اللہ اور لا حول ولا قوۃ الا باللہ پڑھنے لگے، اس پر دیگر حضرات نے عرض کیا، حضور کرتا پہنے رہیں، ہم لوگ ابھی دھودیتے ہیں، لیکن حضور نے ناراضگی کے ساتھ فرمایا کیسے دھوؤگے؟ پھر کرتا اتار کر دیا اور دریافت فرمایا، کیسے دھلوگے؟ مفتی ریاض احمد صاحب نے عرض کیا، حضور نل میں پانی ہے اسی سے دھل دیتے ہیں۔ فرمایا، پہلے اس کو دھوپ میں سکھالو اور سکھانے کے بعد جو کیچڑ لگی ہے اس کو کھرچ دو پھر دھلو۔ چنان چہ ہم لوگوں نے ایسا ہی کیا، سکھا کر دھلا گیا پھر خشک کر کے حضرت کو پہنا دیا گیا۔

اول تو کیچڑ کا نجس ہونا قطعی نہیں، دوسرے پر وہ ایک درہم سے بھی بہت کم تھا جو معاف ہے پھر بھی اس سے پاکی کا اس قدر اہتمام اور وہ بھی سفر میں، یہ سرکار مفتیِ اعظم ہی جیسے صاحبِ تقویٰ کا کام ہے۔

دوسری بات یہ بھی قابلِ توجہ ہے کہ اس کیچڑ کو فوراً دھل کر تین بار نچوڑ دیا جاتا تب بھی تطہیر کا عمل پورا ہو جاتا، مگر پہلے خشک کر کے کیچڑ کے جرم کو کھرچ کر دور کرنے کا حکم دیا پھر دھلنے کو کہا تاکہ پانی پڑنے کے بعد کیچڑ کپڑے پر پھیلنے نہ پائے، ہاں کھرچنے کے بعد جو ذرے باقی رہ گئے ہوں گے ان کی مجبوری ہے کہ وہ بغیر پانی کے صاف ہونے والے نہیں، یہ تقویٰ کی اعلیٰ مثال ہے اور ان لوگوں کے لیے باعثِ عبرت بھی جو نجس کپڑوں کی پاکی میں سستی برتتے ہیں۔

داڑھی رکھ کر منڈوانے والے :

جناب فراز الدین صاحب نارکل ڈانگہ کلکتہ بیان کرتے ہیں، ایک شخص نے عرض کیا؛

اس شخص کا کیا حکم ہے جو داڑھی رکھ کر منڈوادے؟

مفتیِ اعظم نے اس کا جواب یوں ارشاد فرمایا، داڑھی کا منڈوانا اور مسجد کا ڈھادینا برابر ہے۔

سائل نے عرض کیا، حضور ایسا کیوں؟

ارشاد فرمایا، اس لیے کہ جہاں مسجدیں ہوتی ہیں اس کو دیکھ کر ہر ایک سمجھتا ہے کہ یہاں اسلام کے ماننے والے ہیں اور داڑھی کا بھی یہی حال ہے کہ جس کے چہرے پر داڑھی دیکھی جائے گی، یہ پتہ چل جائے گا کہ یہ مسلمان ہے، اسلام کا ماننے والا ہے۔

گویا داڑھی منڈوانا اسلام کے نشان کو مٹانا ہے، وہ لوگ جو صبح و شام داڑھیاں مونڈتے ہیں وہ سبق لیں کہ کیسا سنگین و شدید جرم کر

رہے ہیں، اور خدا اور رسولِ خدا کی کیسی ناراضی مول لے رہے ہیں۔

تیامن کا اہتمام:

ہر چیز کو اپنے داہنے سے اختیار کرنا اور شروع کرنا سنت ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يحب التيمن في شانه كله في طهوره و ترجله و تنعله.

(متفق عليه ، مشكوٰة، ص:۴۶ باب سنن الوضو)

''نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے تمام کاموں پر داہنے سے شروع کرنا پسند فرماتے تھے، وضو کرنے کنگھا کرنے اور نعلین پہننے میں بھی''

سرکار مفتی اعظم رضی اللہ عنہ اس حدیث پر اس سختی سے عمل فرماتے کہ اس کی مثال اس عہد میں ملنی مشکل ہے، ان کو سرمہ استعمال کرنا ہو، نعلین پہننا ہو، کوئی سامان لینا دینا ہو، کپڑا پہننا ہو، مسجد میں داخل ہونا ہو، حتیٰ کہ ٹوپی پہننا ہو تو داہنے ہاتھ ہی سے پہنتے اور اگر کوئی چیز مثلاً تعویذ وغیرہ کسی کو دینا ہوتا اور وہ اپنا بایاں ہاتھ بڑھاتا تو ہرگز نہ دیتے جب تک کہ وہ اپنا داہنا ہاتھ نہ بڑھاتا۔

کھانے کے آداب:

کھانے کے تمام مسنون طریقوں کا التزام فرماتے، حتیٰ کہ ان آداب کا بھی خیال فرماتے جن کی طرف لوگ عام طور سے توجہ نہیں دیتے۔ مثلاً:

☆ دسترخوان کے باہر ہاتھ دھلتے، دسترخوان پر نہیں دھلتے۔

☆ دسترخوان پر ساتھ کھاتے تو جب سب لوگ کھا چکتے تب دعا کر کے ہاتھ دھلتے اور اگر اٹھنے کی ضرورت ہوتی تو کھانے والے سے اجازت لیتے۔ لیکن کبھی اجازت لے کے اٹھتے ہوئے میں نے نہیں دیکھا، بل کہ اس قدر آہستہ کھانے کے باوجود تھوڑا کھاتے، سب کے ساتھ ہی ختم کی نوبت آتی

☆ پانی چوس کر آہستہ آہستہ پیتے، غٹ غٹ بڑے بڑے گھونٹ نہیں پیتے۔

☆ میزبان کی اجازت کے بغیر صرف شوربا نہیں کھاتے پیتے، کیوں کہ شوربا یا سالن روٹی چاول سے کھانے کے لیے ہوتا ہے کیوں کہ مہمان کے سامنے جو کھانا آتا ہے مہمان اس کا مالک نہیں ہوتا کہ جیسے چاہے ویسے استعمال کرے بل کہ وہ بطور اباحت ہوتا ہے اور اباحت اسی طریقے پر ہوتی ہے معہود و معروف ہے۔

☆ کھانے میں سبز اشیا پسند فرماتے، مثلاً ہری مرچ دھنیا وغیرہ کی چٹنی اور ہری سبزی۔

☆ کھانا تین انگلیوں سے کھاتے۔

☆ کھانے کے بعد صاحبِ خانہ اور میزبان کو خوب دعائیں دیتے۔

☆ کوئی خلافِ شرع امر سامنے آتا تو ضرور ٹوکتے اور اس معاملے میں کسی کی رو رعایت نہیں کرتے، میزبان ہو یا مہمان یا اور کوئی چاہے وہ کتنا ہی مال دار یا کتنے ہی بڑے عہدے والا ہو، دین و سنت کے معاملے میں اور خلافِ شرع بات پر ٹوکنے میں ذرہ برابر کسی کی پروا نہیں فرماتے۔

ایک بار کھانے کے بعد شربت پیش کیا گیا تو فرمایا، کھانے کے بعد میں شربت نہیں پیتا، تیز ابی شکایت ہے۔۔۔مزید فرمایا: کھانے کے بعد شربت پینا بھی نہیں چاہیے۔ (یعنی طبی اصول کے بھی خلاف ہے)

حاجت برآری :

۳/ اپریل ۱۹۷۴ء بدھ کو ذاکر نگر، جمشید پور میں جناب الطاف حسین کے یہاں قیام فرما تھے، رات جلسے کی وجہ سے کافی تاخیر ہو چکی فجر سے قبل بہت قلیل وقت آرام کرنے کو ملا اس لیے بعد نمازِ فجر وظائف سے فارغ ہو کر آنکھوں میں سرمہ استعمال فرمایا اور سونے کا ارادہ کیا۔ اتنے میں جو لوگ موجود تھے ان کو کوئی صاحب ہٹانے لگے۔ اس پر حضرت نے فرمایا، ان لوگوں سے پوچھ لیں شاید ان کو کوئی حاجت ہو بتائیں، اور اسے ناپسند فرمایا کہ ان کو ہٹایا جائے۔ گویا ان کی حاجت برآری کو اپنے آرام پر ترجیح دی، اور یہ معمول ہمیشہ ہی کا تھا کہ جملہ حاضرین کی حاجات کی تکمیل کے بعد ہی سونے اور آرام کرنے کی کوشش کرتے، ہاں خود سے لوگ خیال کرتے ہوئے اٹھ کر چلے جائیں تو دوسری بات ہے۔ ''ہٹو حضرت کو آرام کرنے دو''، ''آپ لوگ جایئے حضرت سوئیں گے''، ''آپ لوگ آرام کرنے دیں''، اس قسم کے جملوں سے ناراض ہوتے تھے کہ شاید کسی کی دل شکنی ہو جائے یا کسی کی کوئی اہم ضرورت پوری ہونے سے رہ جائے۔ غرض کہ خلق کا دہ خیال فرماتے تھے کہ اس زمانے میں اس کا تصور بھی دشوار ہے۔ یہ خاص اولیا اللہ کی شان ہے اور اخلاق کی نہایت اعلیٰ مثال بھی۔

لڑکی کے بال کاٹنے پر تنبیہ :

جمشید پور ہی میں ایک صاحب کے یہاں حضرت تھوڑی دیر کے لیے از راہِ خاطر داری تشریف لے گئے، وہ بڑے صاحب حیثیت اور مال دار آدمی تھے۔ ان کی ایک بچی سامنے آئی، اس کے سر کے بال آج کل کے فیشن کے حساب سے کٹے ہوئے تھے۔ حضرت نے ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: بچیوں کا بال نہیں کاٹنا چاہیے، کیا حال ہو گیا ہے، لوگ فیشن کے پیچھے چلتے ہیں۔

بچوں کو ادب سکھانے کی تاکید :

جمشید پور ہی کا ایک واقعہ ہے ایک مسجد میں ایک صاحب نماز پڑھنے آئے، گلا کھلا ہوا، آستین چڑھی ہوئی یا لٹکی ہوئی تھی، حضرت فرمانے لگے کہ کیا ہو گیا ہے لوگوں کو، گلا کھلا رکھتے ہیں، آستین کتے کے کان کی طرح لٹکاتے ہیں (قمیص کی آستین بغیر بٹن کے جب لٹکتی ہوتی تو اکو حضور مفتی اعظم اس کو کتے کے کان سے تشبیہ دیتے اور اس حال میں نماز مکروہ بتاتے)

اسی اثنا مولانا غلام آسی صاحب (علیہ الرحمہ) نے عرض کیا، حضور! آج کل یہ مرض عام ہے، لوگ اس کی کچھ پروا نہیں کرتے۔۔۔ تو حضرت نے فرمایا: بات اصل یہ ہے کہ پہلے بڑے بوڑھے لوگ بچوں کو ادب سکھایا کرتے تھے اور اب لونڈے جو کرتے ہیں وہ یہ بوڑھے بھی کرنے لگے ہیں۔۔۔۔ وہ صاحب بوڑھے تھے، جبھی حضرت نے یہ فرمایا۔

۱۱ ربیع الاول ۱۳۹۴ھ کا واقعہ ہے، بریلی شریف کے صوفی عزیز احمد صاحب مرحوم (والد ماجد جناب صوفی محمد اقبال بریلوی مرحوم) نے بیان کیا:

ایک مرتبہ ایک عورت عصر کے بعد تعویذ لینے کے لیے آئی، اسے دیکھ کر جناب رضا علی مرحوم حدیث سنانے لگے کہ جس کو اپنی آنکھیں پیاری ہوں وہ عصر کے بعد لکھنے کا کام نہ کرے، حضور مفتی اعظم نے سنا تو فرمایا جی! میں بھی جانتا ہوں مگر یہ اتنی دور سے آئی ہے کچھ دعا بھی تو دے گی۔

یہ واقعہ صوفی عزیز احمد صاحب نے صوفی اقبال احمد اور حاجی محمد فاروق رضوی بنارسی کے سامنے بیان کیا اور ناچیز راقم الحروف نے سن کر یاد کیا پھر نوٹ کر کے اسلامی سنی بھائیوں کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضور مفتیِ اعظم قدس سرہ مخلوقِ خدا کی دلداری اور حاجت براری کا کیسا خیال فرماتے تھے، نیز حاجت مندوں اور پریشان حالوں کی دعا کے طالب رہا کرتے تھے۔

بانیِ اسلام:۔

ایک بار کسی نے عرض کیا، حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بانیِ اسلام کہنا کیسا ہے؟

ارشاد فرمایا: نہیں کہنا چاہیے۔

دراصل اسلام وہ دین ہے جو رب تعالیٰ نے اتارا اور جاری کیا۔ مخالفین اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بانیِ اسلام کہہ کر یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ اسلام خدائی دین نہیں ہے بلکہ انسان کا وضع کردہ ہے۔ اگرچہ بانیِ اسلام کہنے والے مسلمانوں کی مراد یہ نہیں ہوتی، مگر ایسا لفظ کیوں بولیں جس کا کفار کے نزدیک غلط معنی ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ بانیِ اسلام غیروں کا نکالا ہوا لفظ ہے، اس سے مسلمانوں کو پرہیز کرنا چاہیے۔

دودھ نہ پینے والے بچے کو تعویذ:

جمشید پور۔ یکم اپریل ۱۹۷۴ء کے جلسہ میں جب حضور مفتیِ اعظم بنارس سے تشریف لے جا رہے تھے تو ناچیز راقم الحروف بھی ہم رکاب ہو گیا، جناب الحاج محمد فاروق صاحب بھی خادمِ خاص کی حیثیت سے ہم راہ تھے۔ جناب الحاج عبدالباری صاحب نوادہ بہار والے کی کار سے حضرتِ جمشید پور گئے تھے۔ غالباً یہ سفر بنارس سے گیا تک ٹرین سے طے ہوا اور گیا سے جمشید پور تک کار سے، گیا میں حضرت کا قیام جناب مسعود احمد خاں صاحب ایڈوکیٹ کے وہاں تھا۔ وہاں سے نوادہ ہوتے ہوئے جمشید پور تشریف لے گئے، کسی وجہ سے جمشید پور پہنچنے میں اتنی تاخیر ہو گئی کہ یکم اپریل کا جلسہ ملتوی ہو گیا اور دوسرے روز شب میں منعقد ہوا، جس کے بعض واقعات گزشتہ صفحات میں لکھے جا چکے ہیں، اجلاس ختم ہونے کے بعد دھنباد تک کار سے جانا ہوا پھر وہاں سے بذریعہ ٹرین بریلی شریف۔

۱۱ ربیع الاول ۹۴ ۱۳ھ کی تاریخ تھی اور مغرب کا وقت بالکل قریب تھا، جب سرکار مفتیِ اعظم کی رفاقت میں ہم لوگ بریلی شریف پہنچے۔ سرکار کے پہنچتے ہی ایک آدمی گود میں ایک چھوٹا بچہ لے کر آیا جو تقریباً چھ ماہ کا رہا ہوگا اور آتے ہی عرض کیا، حضور! یہ بچہ دودھ نہیں پیتا، ایک قطرہ بھی اگر اس کے منہ میں دودھ جاتا ہے فوراً قے کر دیتا ہے۔ اس کے لیے تعویذ درکار ہے، دواؤں سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

چوں کہ حضرت طویل سفر سے آئے تھے اور نمازِ مغرب کا وقت قریب تھا اور بعدِ عصر لکھنا پڑھنا بھی مشکل ہوتا ہے اس لیے بہت ناراض ہو کر فرمایا، آدمی کہیں معمولی سے معمولی آدمی کے پاس بھی جاتا ہے تو وقت دیکھ کر جاتا ہے؟ سوچتا ہے کہ کہاں جا رہا ہوں؟ کب جا رہا ہوں؟ اور یہاں کچھ نہیں دیکھتے بس چلے آتے ہیں۔ اور فرمایا:

"اعلیٰ حضرت عصر کے بعد سے صبح تک بچوں کو باہر نکالنے سے منع فرماتے تھے"، یہ کہا اور تعویذ لکھنے لگے، چند ساعت کے بعد پھر فرمایا:

"بچہ کبھی تو کسی آسیبی اثر سے دودھ نہیں پیتا، کبھی بیماری کی وجہ سے اور کبھی نظر کی وجہ سے، اور کبھی ماں کے دودھ کے خراب ہونے کی وجہ سے"، یہ فرمایا اور اس کو تعویذ دے کر فوراً نمازِ مغرب کے لیے مسجد روانہ ہو گئے۔

غالباً اس ارشاد کا مقصد یہ تھا کہ آدمی کو وجہ معلوم کر لینی چاہیے اور پھر اسی حساب سے دوا یا دعا کرنی کرانی چاہیے۔

یہاں میلاد شریف چندے سے نہیں ہوتا :

حضور مفتیِ اعظم کے دولت کدے پر ہفتے میں دو بار محفلِ میلاد شریف منعقد ہوا کرتی، اور بارہویں ربیع الاول شریف کو خاص محفل ہوتی، گیارہ ربیع الاول شریف ۱۳۹۴ھ کو جب حضرت جمشید پور سے واپس آئے تو وہ خاص محفلِ میلاد شریف کا دن تھا۔ نمازِ مغرب ادا کر کے قیام گاہ (دارالافتا) تشریف لائے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک صاحب حاضر ہوئے اور مصافحہ کر کے پانچ روپے پیش کیے اور کہا، حضور! اسے میلاد شریف میں شریک فرمالیں۔ سرکار مفتیِ اعظم نے جلال میں فرمایا: ''یہاں میلاد شریف چندے سے نہیں ہوتا۔'' اس نے عرض کیا، ''حضور! ساجد میاں نے تو کہا ہے کہ جو شریک ہونا چاہے، شریک ہو لے، کھاتا کھول دیا گیا ہے۔''

جب حضور مفتیِ اعظم نے یہ سنا تو بہت ناراض ہوئے اور فرمایا: ''کہاں ہیں ساجد میاں؟ بلاؤ ان کو۔'' اسی دوران فرمایا: ''شجرے پر چھپوا دیا (یعنی طباعت کے اخراجات کے لیے) جب میں بگڑا تو اس کو ختم کیا، اب میلاد شریف کا کھاتا کھول دیا ہے۔''

تھوڑی دیر کے بعد ساجد میاں حاضر ہوئے اور عرض کیا، ''حضور! کیا بات ہے؟'' فرمایا، (اس شخص کی طرف اشارہ کر کے) ''کیا کہا ہے انھوں نے؟'' کیا کہا ہے؟ اس شخص نے اپنی بات بیان کی، اس پر ساجد میاں نے عرض کیا، میں نے نہیں کہا ہے، اندر کچھ عورتوں نے روپیہ دیا تھا شرکتِ میلاد کے لیے تو میں نے اس پر کہا تھا کہ اس کا الگ کھاتا کھول دیا جائے،...... پھر حضرت نے فرمایا: ''ان روپیوں کو عورتوں کو واپس کر دیا جائے۔'' اس پر ساجد میاں نے کہا: ''حضور! میں نے پہلے ہی ان روپیوں کو واپس کر دیا ہے، حضرت کی اجازت کے بغیر، یہ بھی حضور کی کرامت ہے۔''

پھر فرمایا: ''میلاد شریف کہیں چندے سے ہوتا ہے؟ ہمارے دادا پر دادا کے وقت سے بل کہ پردادا کے پردادا کے وقت سے ہوتا چلا آرہا ہے۔ پہلے تو شیرینی نہیں تقسیم ہوتی تھی لفافے، کاغذ میں کسی میں اشرفی کسی میں روپیہ وغیرہ رکھ کر پھر سینی میں سجا کر بغیر کسی کا منہ دیکھے تقسیم کیا جاتا تھا، جس کی قسمت میں جو ہوتا تھا اس کو وہ ملتا تھا، کبھی اس کے لیے چندہ نہیں ہوا۔''

داڑھی اور ٹوپی کی تاکید :

چتوڑ گڑھ (راجستھان) سے چند آدمی حاضر ہوئے۔ ان سے حضور مفتیِ اعظم نے کچھ دیر گفتگو فرمائی۔ انھوں نے ایک خط دیا۔ حضور نے خود ہی اس کو پڑھا، پھر ان لوگوں کو نصیحت فرمانے لگے، کیوں کہ ان میں ایک صاحب تو سر پر رومال باندھے ہوئے تھے اور ایک صاحب ٹوپی پہنے ہوئے تھے لیکن دونوں کی داڑھی منڈی ہوئی تھی۔ فرمایا: ''سر پر ٹوپی پہنا کرو۔''

اس شخص نے کہا، حضور عجلت میں بھول گیا۔

فرمایا: ''یہ عذر نہیں ہے، کہیں پاجامہ چھوڑ دیں اور کہیں کہ بھول گیا تب؟

پھر فرمایا: ''میں داڑھی منڈے سے زیادہ سر کھلے سے ناراض ہوتا ہوں۔ حالاں کہ داڑھی منڈے سے زیادہ ناراض ہونا چاہیے، اس کی وجہ یہ ہے کہ داڑھی منڈوانے والا اپنے اسلام کو چھپانے کی نیت نہیں کرتا، مگر سر کھلے اکثر اپنے اسلام کو چھپانے کی نیت کرتے ہیں کہ کہیں ان کو مسلمان نہ پہچانا جائے، اس لیے ٹوپی ایسی چیز ہے کہ جیسا بھی آدمی ہو اگر اس کے سر پر ٹوپی ہوتی ہے تو ضرور اس کو مسلمان پہچان لیا جاتا ہے۔''

پھر فرمایا: ''ہر مذہب والا اپنے دین کا ایک شعار رکھتا ہے اور وہ اس پر مرتا ہے (یعنی اس کو باقی رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے)

ہندوؤں نے اپنا شعار چوٹیا، جنیو اور قشقہ رکھا ہے۔ وہ نہیں چاہتے کہ کوئی ان کی چوٹیا پکڑے یا ان کا قشقہ چھوئے یا جنیو کاٹے۔ آخر دم تک وہ اس کو کاٹنے نہ دیں گے، وہ جنیو پر اپنی جان دیتے ہیں۔

چند روز بریلی شریف رہ کر پھر میں بنارس واپس آگیا۔ افسوس بہت سے واقعات کو نقل نہ کر سکا، کاش وہ حضرات جو حضرت کی رفاقت میں زیادہ رہے ہیں وہ اہم واقعات قلم بند فرمادیتے تو عبرت آموز واقعات کا بہت بڑا ذخیرہ جمع ہو جاتا، اب بھی اس پر توجہ دی جائے تو بہت کام ہو سکتا ہے، اس سفر کے اور اس کے علاوہ بھی بہت سے واقعات راقم الحروف کے پردۂ ذہن پر مرتسم ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ان کو جلد ہی صفحاتِ قرطاس پر منتقل کرنے کی کوشش کروں گا۔

☆☆☆☆☆